مولانا مودودی کا تصورِ اجتہاد

رضوانہ اعجاز

سید مودودی کا ایک امتیازی پہلو یہ ہے کہ انھوں نے جمود اور تقلید کے ایک عمومی مزاج کو توڑنے کی بھرپور کوشش کی۔ اگرچہ وہ بیسویں صدی میں یہ کام کرنے والے پہلے آدمی نہیں تھے، لیکن انھوں نے جو کام کیا وہ اُن معذرت خواہانہ (apologetic) نقطۂ نظر رکھنے والوں سے فی الحقیقت مختلف تھا جنھوں نے اجتہاد کے نام پر علومِ اسلامی کی بعض اساسات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، مثلاً یہ کہنا کہ سنت اسلامی قانون سازی کا بنیادی ماخذ نہیں ہے اور صرف قرآن کی بنیاد پر اجتہاد کرنے پر زور ہونا چاہیے۔ ان کے برعکس سید مودودی نے معذرت خواہانہ سوچ رکھنے والوں اور تقلید پسند روایتی مذہبی طبقے کو راہِ اعتدال دکھائی اور قرآن و سنت کی بنیاد پر اجتہاد کی طرف توجہ دلائی اور خود بھی مختلف معاملات میں اجتہاد کیا۔ بلامبالغہ اُمت مسلمہ کے مستقبل میں اجتہاد کو ایک فیصلہ کن حیثیت حاصل ہے۔

سید مودودی نے اجتہاد کے مسئلے پر جو فکری خدمات انجام دی ہیں، ان کو پانچ اجزا میں تقسیم کر کے غور کیا جاسکتا ہے:

- انھوں نے اُمت کے عروج و زوال میں اجتہاد کا مقام متعین کیا۔
- انھوں نے جمود پر ضرب لگائی اور اہلِ علم کو جھنجھوڑا کہ وہ اجتہاد کے میدان میں آگے بڑھیں۔
- انھوں نے ایک طرف غلط اجتہاد کی روک تھام کے لیے تدابیر اختیار کیں، دوسری جانب اجتہاد کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے والوں کی بھی مزاحمت کی۔
- انھوں نے اجتہاد کے دائرے کو بہت واضح طور پر متعین کیا اور اس میں وسعت اختیار کی۔
- انھوں نے اجتہاد کے اصول متعین کیے، جن کو مجتہدین کے لیے جدید مسائل حل کرنے میں بنیاد بننا چاہیے۔

سید مودودی نے یہ کام اپنی تحریروں میں بھی کیا اور ان مسائل کے حوالے سے بھی جن میں انھوں نے اجتہاد کیا اور اپنی رائے ظاہر کی۔ بعض ماہرین کی رائے میں ان کے اجتہادات کا بیش تر حصہ ترجمان القرآن کے جاری ہونے کے پہلے چار پانچ برسوں میں لکھا گیا۔ ان تحریروں میں ان کا موقف اتنا چونکا دینے والا تھا کہ علامہ محمد اقبال جن کی نظر میں فقہ اسلامی کی تشکیل جدید کا کام مسلمانوں کے ایجنڈے پر سرفہرست ہونا چاہیے تھا' اس کے لیے ان کی نظر سید مودودی کی طرف گئی اور ان کو پٹھان کوٹ آنے کی دعوت دی۔ قرائن وشواہد بتاتے ہیں کہ اس کام کے ساتھ ساتھ سید مودودی کی ترجیحات میں وسعت تھی۔ اس لیے کہ فقہ کسی خلا میں کام نہیں کر سکتا جب تک تہذیبی روح اور ایسے افراد نہ پیدا ہوں جو اس فقہ کو عملی جامہ بھی پہنائیں۔ اس لیے انھوں نے اپنی توجہ ایسی تحریک برپا کرنے پر مرکوز کر دی جو اسلام کو غالب کرے۔ اس کوشش میں ان کے اجتہادات میں بھی پہلے برسوں کی نسبت کچھ کمی محسوس ہوتی ہے۔ لیکن پہلے پانچ سال میں اصولی طور پر اجتہاد کے موضوع پر بھی اور حقوق الزوجین' دیہات میں نمازِ جمعہ' غیر عربی میں خطبۂ جمعہ' لاؤڈ اسپیکر کا استعمال وغیرہ مسائل پر ان کا نقطۂ نظر اجتہادی شعور کا مظہر ہے۔ یہ صرف مسائل نہیں تھے بلکہ ان مسائل پر اجتہاد کرتے ہوئے انھوں نے بہت سے اہم اصول بھی وضع کیے۔ یہ مباحث بہت دل چسپ ہیں اور آج بھی اگر کارِ اجتہاد درپیش ہو تو روشنی فراہم کر سکتے ہیں۔

جمود اور تقلیدی رویے پر زد

مسلمانوں کے عروج و زوال میں' سید مودودی اجتہاد کو جہاد کے پہلو بہ پہلو رکھتے ہیں کہ مسلمانوں پر مایوس کن افتاد اس لیے پڑی کہ ایک جانب روح جہاد سرد پڑ گئی اور دوسری طرف مسلمان اجتہاد سے دست بردار ہو گئے۔

جمود جس کا نقطۂ آغاز شاید اتنا واضح طور پر متعین نہیں کیا جا سکتا کہ وہ چوتھی صدی سے شروع ہوا یا چھٹی صدی میں' یا پورا جمود کبھی طاری بھی ہوا یا نہیں' اور اجتہاد کا دروازہ کبھی کلی طور پر بند بھی ہوا یا نہیں ـــــ یہ وہ مباحث ہیں جن پر ہمارے دانش ور بحث کر رہے ہیں۔ تاہم' بحیثیت مجموعی اُمت مسلمہ پر ایک جمود طاری تھا' جس پر سید مودودی نے ضرب لگائی اور شدت کے ساتھ آواز اٹھائی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ہمارے اہلِ علم کے ہاں چھٹی صدی کے بعد کیلنڈر آ کر رک گیا ہو اور وہ جدید مسائل کا سامنا نہ کر پا رہے ہوں۔ تاہم سید مودودی نے اس بات کو یوں واضح کیا کہ ہمارے اہلِ علم ابھی تک ماضی سے نکل کر حال کے دور میں داخل نہیں ہو سکے ہیں۔ موجودہ حالات میں نت نئی سائنٹی فک ایجادات اور ان کے نتیجے میں متعدد تہذیبی اور دینی مسائل پیدا ہو رہے ہیں' مگر بدقسمتی سے ہمارے اہلِ علم ان سے آشنا نہیں ہیں' جیسے وہ اس دور میں نہیں رہتے۔

جمود اور تقلیدی رویوں کے اسباب کا تعین کرتے ہوئے سید مودودی نے کہا کہ ترتیب یہ تھی: ''سب سے

پہلے اللہ کی کتاب، اس کے بعد رسولؐ اللہ اور اس کے بعد اہلِ علم کا اجتہاد تھا۔ بالآخر ترتیب اُلٹ گئی اور عملاً پہلے اہلِ علم کا اجتہاد، پھر رسولؐ اللہ اور اس کے بعد کتاب اللہ کو مقام دیا جانے لگا۔ اس ترتیب کے اُلٹنے سے بے شمار فروعیات پیدا ہوئیں اور انھوں نے اصل اسلام کی شکل اختیار کر لی۔ پھر لوگ اس پر قانع ہو گئے کہ جب کوئی مسئلہ پیدا ہو تو اس کے لیے ان کتابوں کی طرف رجوع کریں جو کتاب اللہ کی طرح ابدی نہیں ہو سکتی تھیں اور ان افراد کی فکر ہی کو منتہا بنا لیا گیا جن کی فکر اللہ کی کتاب اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اور بصیرت کے برعکس تمام زمانوں پر حاوی نہیں ہو سکتی تھی۔ یہ جمود کا بنیادی سبب تھا''۔ (روزنامہ جسارت، کراچی، نومبر ۱۹۹۵ء، ص ۴۸-۴۹)

جمود کے اسباب

اس جمودی کیفیت کے اسباب کا تذکرہ وہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں: ''بنیادی نقص اس مسخ شدہ مذہبیت میں یہ ہے، کہ اس میں اسلامی شریعت کو ایک منجمد شاستر بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ اس میں صدیوں سے اجتہاد کا دروازہ بند ہے جس کی وجہ سے اسلام ایک زندہ تحریک کے بجائے محض عہدِ گذشتہ کی ایک تاریخی یادگار بن کر رہ گیا ہے اور اسلام کی تعلیم دینے والی درس گاہیں آثارِ قدیمہ کے محافظ خانوں میں تبدیل ہو گئی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اجنبی لوگ اس چیز کو دیکھ کر زیادہ سے زیادہ تاریخی ذوق کی بنا پر اظہارِ قدرشناسی تو کر سکتے ہیں، مگر یہ توقع ان سے نہیں کی جا سکتی کہ وہ حال کی تدبیر اور مستقبل کی تعمیر کے لیے اس سے ہدایت و رہنمائی حاصل کرنے کی ضرورت محسوس کریں گے''۔ (تحریک آزادی ہند اور مسلمان، دوم، ص ۱۴۹)

استعمار کے سیاسی، تہذیبی اور علمی غلبے کے زیرِ اثر جب مسلمانوں کے اندر فکری و نظریاتی انحطاط میں مزید تیزی آئی تو ایمان کا سرمایہ بھی تشکیک و ریب کی نذر ہونے لگا۔

علامہ اقبال، مسلمانوں کے زوال و انحطاط کے متعلق ضربِ کلیم میں فرماتے ہیں:

کیا گیا ہے غلامی میں مبتلا تجھ کو ۔۔۔ کہ تجھ سے ہو نہ سکی فقر کی نگہبانی
مثالِ ماہ چمکتا تھا جس کا داغِ سجود ۔۔۔ خرید لی ہے فرنگی نے وہ مسلمانی
ہُوا حریف مہ و آفتاب تُو جس سے ۔۔۔ رہی نہ تیرے ستاروں میں وہ درخشانی

یہاں تک کہ فرنگی حکمرانوں کی تقلید نے مرگِ تخیل کے مرحلے تک پہنچا دیا:

کس درجہ یہاں عام ہوئی مرگِ تخیل ۔۔۔ ہندی بھی فرنگی کا مقلد، عجمی بھی!
مجھ کو تو یہی غم ہے کہ اس دور کے بہزاد ۔۔۔ کھو بیٹھے ہیں مشرق کا سُرورِ ازلی بھی

سید مودودی کی تشخیص بھی یہی ہے کہ: ''مسلمانوں پر مغربی تلوار اور قلم دونوں کا حملہ ایک ساتھ ہوا۔ جو دماغ مغربی طاقتوں کے سیاسی غلبے سے مرعوب اور دہشت زدہ ہو چکے تھے، ان کے لیے مشکل ہو گیا کہ مغرب

کے فلسفہ وسائنس اور ان کی پروردہ تہذیب کے رعب وداب سے محفوظ رہتے...... مزید برآں ایک مرعوب ذہنیت کے ساتھ مغربی استادوں کے سامنے زانوے ادب تہ کیا گیا تھا' اس لیے مسلمانوں کی نئی نسلوں نے شدت کے ساتھ مغربی افکار اور سائنٹی فک نظریات کا اثر قبول کیا۔ ان کی ذہنیتیں مغربی سانچے میں ڈھلتی چلی گئیں۔ ان کے دلوں میں مغربی تہذیب کا نفوذ بڑھتا چلا گیا۔ ان میں وہ ناقدانہ نظر پیدا ہی نہیں ہوئی جس سے وہ صحیح اور غلط کو پرکھتے اور صرف صحیح کو اختیار کرتے۔ اور ان میں یہ صلاحیت ہی پیدا نہ ہوسکی کہ آزادی اور استقلال کے ساتھ غور وفکر کرتے اور اپنے ذاتی اجتہاد سے کوئی رائے قائم کرتے' اسی کا نتیجہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ اسلامی تہذیب جن بنیادوں پر قائم ہے وہ متزلزل ہوگئی ہیں۔ ذہنیتوں کا وہ سانچا ہی بگڑ گیا ہے جس سے اسلامی طریق پر سوچا اور سمجھا جاسکتا تھا۔ مغربی طریق پر سوچنے اور مغربی تہذیب کے اصولوں پر اعتقاد رکھنے والے دماغ کی ساخت ہی ایسی ہے کہ اس میں اسلام کے اصول ٹھیک نہیں بیٹھ سکتے' اور جب اصول ہی اس میں نہیں سماسکتے تو فروع میں طرح طرح کے شبہات اور نت نئے شکوک پیدا ہونا ہرگز قابلِ تعجب نہیں''۔(تنقیحات' ص ۱۹-۲۰)

اسی طرح سید مودودی نے اپنے ایک مضمون بعنوان ''ملت کے تعمیرنو کا صحیح طریقہ'' میں اُمت کے جمود اور افتراق وانتشار کو نہایت بلیغ اور جامع انداز میں بیان کیا ہے: ''جب تک علماے اسلام اس ماخذ ومنبع [قرآن و سنت] سے اکتسابِ علم کرتے رہے اور صحیح غور وفکر سے کام لے کر اپنے اجتہاد سے علمی و عملی مسائل حل کرتے رہے' اس وقت تک اسلام زمانے کے ساتھ حرکت کرتا رہا۔ مگر جب قرآن میں غور وفکر کرنا چھوڑ دیا گیا' جب احادیث کی تحقیق اور چھان بین بند ہوگئی' جب آنکھیں بند کر کے پچھلے محدثین اور مفسرین کی تقلید کی جانے لگی' جب پچھلے فقہا اور متکلمین کے اجتہادات کو اٹل اور دائمی قانون بنا لیا گیا' جب کتاب وسنت سے براہِ راست اکتسابِ علم ترک کردیا گیا' اور جب کتاب وسنت کے اصول چھوڑ کر بزرگوں کے نکالے ہوئے فروع ہی اصل بنا لیے گئے تو اسلام کی ترقی دفعتاً رک گئی۔ اس کا قدم آگے بڑھنے کے بجائے پیچھے ہٹنے لگا۔ اس کے حامل اور وارث علم وعمل کے نئے میدانوں میں دنیا کی رہنمائی کرنے کے بجائے پرانے مسائل اور علوم کی شرح وتفسیر میں منہمک ہوگئے۔ جزئیات اور فروع میں جھگڑنے لگے' نئے نئے مذاہب نکالنے اور دور از کار مباحث میں فرقہ بندی کرنے لگے''۔(ایضاً' ص ۱۵۸)

ذہنی انحطاط اور مادی تنزل

سید مودودی مسلم نوجوانوں کی سوئی ہوئی خودی اور ان کے جمود زدہ احساس کو ٹھوکر لگا کر جگانے کی کوشش کرتے ہیں' ان کو اپنے تشخص کا شعور دیتے ہیں اور ان کو اصل فساد سے آگاہ کرتے ہیں جس سے مسلم سوسائٹی

اور مسلم فکر دوچار ہے۔

علامہ اقبال اور سید مودودی کے افکار و نظریات میں اس باب میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ دونوں نے مسلمانوں کے حالات و کیفیات کا انتہائی حقیقت پسندانہ تاریخی تجزیہ کیا ہے اور اس مرض کی نشان دہی کی ہے جو مسلم تہذیب کے سقوط کا سبب بنا۔ دونوں اس رائے کا اظہار کرتے ہیں کہ قوموں کے عروج زوال میں بلا کسی استثنا کے فطرت کا یہ اٹل قانون کارفرما رہا ہے کہ جب کوئی قوم ندرت فکر وعمل، تحقیق و اکتشاف سے جیسی صفات سے محروم ہو جاتی ہے تو اسے میدان عمل اپنے سے بہتر قوم یا گروہ کے لیے خالی کر کے مغلوبیت اختیار کرنا پڑتی ہے۔ اس لیے کہ خالق کائنات کو جہانِ آب و گل پر زندہ لاشوں کی حکمرانی پسند نہیں۔ علامہ اقبال ارمغانِ حجاز میں فرماتے ہیں:

آزاد کی رگ سخت ہے مانندِ رگِ سنگ   محکوم کی رگ نرم ہے مانندِ رگِ تاک
محکوم کا دل مردہ و افسردہ و نومید   آزاد کا دل زندہ و پُرسوز وطرب ناک
آزاد کی دولت دلِ روشن، نفسِ گرم   محکوم کا سرمایہ فقط دیدہ نم ناک
محکوم ہے بیگانۂ اخلاص و مروت   ہر چند کہ منطق کی دلیلوں میں ہے چالاک
ممکن نہیں محکوم ہو آزاد کا ہمدوش   وہ بندۂ افلاک ہے، یہ خواجۂ افلاک ہے

اس موضوع کو سید مودودی اس طرح بیان کرتے ہیں: ''فطری قانون یہی ہے کہ جو قوم عقل و فکر سے کام لیتی اور تحقیق و اکتشاف کی راہ میں پیش قدمی کرتی ہے، اس کو ذہنی ترقی کے ساتھ ساتھ مادی ترقی بھی نصیب ہوتی ہے، اور جو قوم تفکر و تدبر کے میدان میں مسابقت کرنا چھوڑ دیتی ہے۔ وہ ذہنی انحطاط کے ساتھ مادی تنزل میں بھی مبتلا ہو جاتی ہے۔ پھر چونکہ غلبہ نتیجہ ہے قوت کا اور مغلوبیت نتیجہ ہے کمزوری کا، اس لیے ذہنی و مادی حیثیت سے درماندہ اور ضعیف قومیں اپنی درماندگی اور ضعف میں جس قدر ترقی کرتی جاتی ہیں، اسی قدر غلامی اور محکومیت کے لیے مستعد ہوتی چلی جاتی ہیں اور طاقت ور (ذہنی، مادی دونوں حیثیتوں سے طاقت ور) قومیں، ان کے دماغ اور ان کے جسم دونوں پر حکمران ہو جاتی ہیں''۔ (تنقیحات، ص ۹-۱۰)

سید مودودی اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اُمت مسلمہ کی شکست وریخت اور زوال جو نظر آ رہا ہے وہ فی الحقیقت کمزور سیرت اور علم و عمل سے عاری قوم کی تہذیب کا، ایک دوسری صاحب علم، فعال اور باعمل قوم کے درمیان مقابلے کا نتیجہ ہے۔ انھوں نے ایک معالج کی طرح اُمت کے ان امراض کا علاج شروع کیا اور جب حالت سدھرتی ہوئی نظر آئی تو مقوی ادویات سے ایمان و اسلام کو صحت مند بنانے کی کوشش میں لگ گئے۔ وہ جماعت اسلامی کا مقصد، تاریخ اور لائحہ عمل میں لکھتے ہیں: ''کوئی تہذیبی و تمدنی حرکت جمود کی

چٹانوں سے نہیں روکی جاسکتی۔ اس کو اگر روک سکتی ہے تو ایک مقابل کی تہذیبی وتمدنی حرکت ہی روک سکتی ہے"۔(ص۹۰-۹۱)

فکری ارتقا اور اجتہاد

اُمت مسلمہ کی اس بے بسی اور جمود کے خاتمے کے لیے سید مودودی نے اجتہاد پر زور دینے کے ساتھ اس بات کا اہتمام کیا اور تاکید کی کہ اجتہاد بے لگام نہ ہو اور ایسے لوگوں کے ہاتھوں انجام نہ پائے جو اس کے اہل نہ ہوں۔ وہ اس کا بھی اہتمام کرتے ہیں کہ سلف نے جو صدیوں سے فقہ کی ترتیب کا حتمی کارنامہ انجام دیا ہے اس کو نذر آتش نہ کر دیا جائے' یا پوری عمارت کو نہ ڈھا دیا جائے' بلکہ فقہ میں جو چیز زمانے کا ساتھ دے سکتی ہو اسے برقرار رکھا جائے اور جو چیز ساتھ نہ دے سکتی ہو' قرآن وسنت کی روشنی میں اس کی متبادل چیزیں سوچی جائیں۔ یہ سارے مباحث ان کے مضامین میں بھی موجود ہیں اور ان مباحث میں بھی جو انھوں نے ان مسائل کے حل کے ضمن میں کیے' جن کے بارے میں انھوں نے اجتہاد سے کام لیا۔

یہ امر مسلمہ ہے کہ حالات وواقعات میں تغیر وتنوع ناگزیر ہے۔ اس لیے اجتہاد وقیاس سے کام لینا بھی ناگزیر ہے۔ علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ نے دسویں صدی ہجری میں اور مشہور حنفی عالم مولانا عبدالعلی نے تیرھویں صدی ہجری میں لکھا ہے کہ: اجتہاد کے ممنوع اور مسدود ہونے پر کوئی کمزور قسم کی شرعی دلیل بھی موجود نہیں ہے(ماہنامہ فاران' کراچی' مارچ ۱۹۹۵ء' ص۲۹)۔ جو احکام ائمہ سلف اور فقہا کے درمیان اختلافی ہوں تو ان میں حالات وضروریات کی بنا پر کسی ایک رائے کو ترجیح دینے کے لیے بھی اجتہاد کیا جاسکتا ہے اور جو احکام عرف و رواج پر مبنی ہوں ان میں بھی عرف ورواج کے تغیر کی وجہ سے جدید اجتہاد کیا جاسکتا ہے۔ لیکن قرآن وسنت کے قطعی اور صریح احکام اور نصوص کی اجماعی تعبیر کے خلاف اجتہاد کرنا دین میں تحریف وترمیم کے مترادف ہے۔

اجتہاد کے لیے ضروری اوصاف

سید مودودی تفہیمات جلد سوم میں اجتہاد کا مقصد ومنہاج بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "اجتہاد کا مقصد چونکہ خدائی قانون کو انسانی قانون سے بدلنا نہیں بلکہ اس کو ٹھیک ٹھیک سمجھنا اور اس کی رہنمائی میں اسلام کے قانونی نظام کو زمانے کی رفتار کے ساتھ ساتھ متحرک کرنا ہے' اس لیے کوئی صحت مندانہ اجتہاد اس کے بغیر نہیں ہوسکتا کہ ہمارے قانون سازوں میں حسب ذیل اوصاف موجود ہوں:

۱- شریعت الٰہی (قرآن وسنت) پر ایمان' اس کے برحق ہونے کا یقین' اس کے اتباع کا مخلصانہ ارادہ' اس سے آزاد ہونے کی خواہش کا معدوم ہونا اور مقاصد' اصول اور اقدار (values) کسی دوسرے ماخذ سے لینے کے بجائے صرف خدا کی شریعت سے لینا۔

۲-عربی زبان اور اس کے قواعد اور ادب سے اچھی واقفیت، کیونکہ قرآن اسی زبان میں نازل ہوا ہے اور سنت کو معلوم کرنے کے ذرائع بھی اسی زبان میں ہیں۔

۳-قرآن اور سنت کا علم جس سے آدمی نہ صرف جزوی احکام اور ان کے مواقع سے واقف ہو بلکہ شریعت کے کلیات اور اس کے مقاصد کو بھی اچھی طرح سمجھ لے۔

۴-پچھلے مجتہدین اُمت کے کام سے واقفیت، جس کی ضرورت صرف اجتہاد کی تربیت ہی کے لیے نہیں ہے بلکہ قانونی ارتقا کے تسلسل (continuity) کے لیے بھی ہے۔

۵-عملی زندگی کے حالات و مسائل سے واقفیت، کیونکہ انھی پر شریعت کے احکام اور اصول و قواعد کو منطبق کرنا مطلوب ہے۔

۶-اسلامی معیار اخلاق کے لحاظ سے عمدہ سیرت و کردار، کیونکہ اس کے بغیر کسی کے اجتہاد پر لوگوں کا اعتماد نہیں ہوسکتا۔

اجتہاد اور اس کی بنا پر ہونے والی قانون سازی کے مقبول ہونے کا انحصار جس طرح اس بات پر ہے کہ اجتہاد کرنے والوں میں اس کی اہلیت ہو، اسی طرح اس امر پر بھی ہے کہ یہ اجتہاد صحیح طریقے سے کیا جائے۔ مجتہد خواہ تعبیر احکام کر رہا ہو یا قیاس و استنباط، بہرحال اسے اپنے استدلال کی بنیاد قرآن اور سنت ہی پر رکھنی چاہیے...... قرآن و سنت سے جو استدلال کیا جائے وہ لازماً ان طریقوں پر ہونا چاہیے جو اہلِ علم میں مسلّم ہیں"۔ (تفہیمات، سوم، ص۱۱-۱۳)

اس پس منظر میں ایک صاحب نے سید مودودی سے دریافت کیا تھا کہ کیا اجتہاد کے دروازے کو آج کھولنے کی شدید ضرورت نہیں ہے۔ وہ اجتہادی اصول جو آج سے ہزار سال قبل بنائے گئے تھے ان کو آج کے مسائل پر بھی بڑی سختی سے نافذ کیا جائے گا؟ اس کے جواب میں انھوں نے لکھا: "اجتہاد کا دروازہ کھولنا جتنا ضروری ہے اتنا ہی احتیاط کا متقاضی بھی ہے۔ اجتہاد کرنا ان لوگوں کا کام نہیں ہے جو ترجموں کی مدد سے قرآن پڑھتے ہوں۔ حدیث کے پورے ذخیرے سے نہ صرف یہ کہ ناواقف ہوں، بلکہ اس کو دفترِ بے معنی سمجھ کر نظرانداز کر دیتے ہوں۔ پچھلی ۱۳ صدیوں میں فقہاے اسلام نے اسلامی قانون پر جتنا کام کیا ہے اس سے سرسری واقفیت بھی نہ رکھتے ہوں اور اس کو بھی فضول سمجھ کر پھینک دیں پھر اس پر مزید یہ کہ مغربی نظریات و اقدار کو لے کر ان کی روشنی میں قرآن کی تاویلیں کرنا شروع کر دیں۔ اس طرح کے لوگ اگر اجتہاد کریں گے تو اسلام کو مسخ کر کے رکھ دیں گے"۔ (ایضاً، ص ۳۰)

سید مودودی اجتہاد کے اصول بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

۱- پہلا اصول یہ [ہے] کہ آدمی اس زبان کو اور اس کے قواعد اور محاوروں اور ادبی نزاکتوں کو اچھی طرح سمجھتا ہو جس میں قرآن نازل ہوا ہے۔(ایضاً، ص ۳۱)

۲- دوسرا اصول یہ ہے کہ آدمی نے قرآن مجید کا اور ان حالات کا جن میں قرآن مجید نازل ہوا ہے، گہرا اور وسیع مطالعہ کیا ہو۔

۳- تیسرا اصول یہ ہے کہ آدمی اس عمل درآمد سے اچھی طرح واقف ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاے راشدینؓ کے دور میں اسلامی قوانین پر ہوا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ قرآن خلا میں سفر کرتا ہوا براہِ راست ہمارے پاس نہیں پہنچ گیا ہے۔ اس کو خدا کی طرف سے ایک نبی لایا تھا۔ اس نبی نے اس کی بنیاد پر افراد تیار کیے تھے، معاشرہ بنایا تھا، ایک ریاست قائم کی تھی، ہزارہا آدمیوں کو اس کی تعلیم دی تھی اور اس کے مطابق کام کرنے کی تربیت دی تھی۔ ان ساری چیزوں کو آخر کیسے نظرانداز کیا جاسکتا ہے۔ ان کا جو ریکارڈ موجود ہے اس کی طرف سے آنکھیں بند کر کے قرآن کے الفاظ سے احکام نکال لینا کس طرح صحیح ہوسکتا ہے۔(ایضاً، ص ۳۱)

۴- چوتھا اصول یہ ہے کہ آدمی اسلامی قانون کی پچھلی تاریخ سے واقف ہو۔ وہ یہ جانے کہ...... پچھلی ۱۳ صدیوں میں صدی بہ صدی اس پر کیا کام ہوا ہے اور مختلف زمانوں میں وقت کے حالات پر قرآن اور سنت کے احکام کو منطبق کرنے کے لیے کیا کیا طریقے اختیار کیے گئے ہیں اور تفصیلاً کیا احکام مرتب کیے جاتے رہے ہیں...... ایک دانش مند قوم اپنے اسلاف کے کیے ہوئے کام کو برباد نہیں کرتی بلکہ جو کچھ انھوں نے کیا ہے اس کو لے کر آگے وہ کام کرتی ہے، جو انھوں نے نہیں کیا، اور اس طرح مسلسل ترقی جاری رہتی ہے۔

۵- پانچواں اصول یہ ہے کہ آدمی ایمان داری کے ساتھ اسلامی اقدار اور طرزِ فکر اور خدا اور رسولؐ کے احکام کی صحت کا معتقد ہو اور رہنمائی کے لیے اسلام سے باہر نہ دیکھے بلکہ اسلام کے اندر ہی رہنمائی حاصل کرے۔ یہ شرط ایسی ہے جو دنیا کا ہر قانون اپنے اندر اجتہاد کرنے کے لیے لازمی طور پر لگائے گا۔(ایضاً، ص ۳۱-۳۲)

اجتہاد اور مصلحت و حکمت

سید مودودی نے یہ بات واضح طور پر کہی کہ جو بھی اجتہاد کیا جائے وہ 'مصلحت' اور 'حکمت' کے مطابق ہونا چاہیے۔ شریعت کا ہر حکم کسی مصلحت پر مبنی ہے اور اگر حالات اور زمانے میں تغیر ہو تو احکام کی نوعیت بھی بدلے گی۔ اس کے بعد انھوں نے اجتہاد کا دائرہ ان الفاظ میں متعین کیا: ''اجتہاد کے لیے الفاظ اور اسپرٹ دونوں ہی کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے، لیکن اسپرٹ کا مسئلہ خاصا پیچیدہ ہے۔ اگر اسپرٹ سے مراد وہ چیز ہے جو بحیثیت مجموعی

قرآن کی تعلیمات، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل، خلفاے راشدینؓ کے عمل اور بحیثیت مجموعی فقہاے اُمت کے فہم سے ظاہر ہوتی ہے، تو بلاشبہہ یہ اسپرٹ ملحوظ رکھنے کے قابل ہے اور اسے نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن اگر الفاظ قرآن اور سنت سے لیے جائیں اور اسپرٹ کہیں اور سے لائی جائے تو یہ سخت قابلِ اعتراض چیز ہے اور ایسی اسپرٹ کو ملحوظ رکھنے کے معنی یہ ہیں کہ ہم خدا اور رسول کا نام لے کر ان سے بغاوت کرنا چاہتے ہیں"۔ (تفہیمات، سوم، ص ۳۴)

سید مودودی نے اجتہاد کے دائرہ کار میں وسعت و تنوع اختیار کیا۔ اجتہاد میں وہ معاملات تو آئیں گے ہی جن کے بارے میں کوئی حکم نہ پایا جاتا ہو، اور وہ معاملات بھی آئیں گے جن میں فقہا نے استنباط کیا ہے اور اب حالات بدل گئے ہیں۔ لیکن نصوص کے دائرے میں بھی اجتہاد کا ایک دائرہ ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی نص کا منشا کیا ہے؟ جسے پہلے لوگوں نے متعین کیا اور آج بھی کیا جاسکتا ہے، اور جو قرآن و سنت کی رو سے بالکل واضح احکام تھے، ان کی تعبیر میں صحابہ کرامؓ میں اختلاف رہا۔ بعض الفاظ تک محدود رہے اور بعض نے ان کا مفہوم لیا۔ جیسا کہ حضورؐ کی زندگی میں بھی ایسا واقعہ موجود ہے۔

حدیث مبارکہ میں مذکور ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ تم غزوۂ احزاب میں فارغ ہوکر یہودیوں کے قلعوں کی طرف جاؤ تو بیچ میں نماز نہ پڑھو، تو بعض لوگوں نے اسے لفظی معنی میں لیا اور نماز عصر پڑھے بغیر قلعوں تک پہنچے۔ بعض نے کہا کہ حضورؐ کا مطلب یہ تھا کہ جلدی سے پہنچو، ہم نماز پڑھ سکتے ہیں، نماز پڑھ کے جائیں گے۔ دونوں نے ایک نص کی تعبیر کی اور حضورؐ کے سامنے پیش کی۔ آپؐ نے دونوں میں سے کسی کو غلط نہیں کہا (بخاری، کتاب المغازی)۔ اس کے معنی یہ تھے کہ تعبیر کے اندر بھی گنجایش موجود ہے کہ حکم کا منشا کیا ہے اور اس منشا کا مفہوم کیا ہے؟ اس کے بعد پھر یہ بھی دیکھا جائے گا کہ یہ حکم کن حالات اور کن واقعات کے لیے آیا تھا۔

سید مودودی اجتہاد کے اصول کے ساتھ ساتھ حکمت و مصلحت پر بھی زور دیتے ہیں اور جہاں شریعت کے احکام کی مصلحت اور حکمت قائم نہ رہتی ہو وہاں اجتہاد کی بھی ضرورت ہے، تبدیلی اور توجہ کی بھی۔ آپ نے اپنی کتاب حقوق الزوجین میں بہت سے ایسے مسائل پر قلم اٹھایا ہے، جن پر فقہا کی آرا بہت عرصے سے موجود تھیں، اور ایسا بھی نہیں کہ انھوں نے بہت انقلابی یا ہنگامہ خیز قسم کی تبدیلیاں ان میں کی ہوں، لیکن اس سے ان کا مزاج معلوم ہوتا ہے کہ مخلوق خدا کی منفعت اور مصلحت اور اس کا فائدہ دین میں کتنا اہم ہے۔

سید مودودی نے عمومی ضرورتوں اور تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے عورت کے حقوق کی بازیافت کے لیے سعی کی۔ اس کی فکری و عملی تربیت کے لیے علیحدہ علیحدہ اعلیٰ تعلیمی اداروں کے قیام پر زور دیا اور کہا کہ حصول علم

میں اس کا حق ہے۔ حدود میں رہتے ہوئے تمام صحت مند مشاغل کی نہ صرف اجازت دی بلکہ وضاحت فرمائی کہ معاشرے کی تعلیم وترقی میں مرد سے زیادہ عورت ذمہ دار ہے۔ بایں طور کہ قدرت نے جو اس کے فرائض مقرر فرمائے ہیں ان کو پورے انہماک اور توجہ سے ادا کرے۔ ان کے نزدیک دوسرا اہم پہلو وہ فقہی قوانین ہیں جن کے ذریعے عورت کی بے بسی و مجبوری میں اضافہ کیا گیا ہے۔ سید مودودی نے دلائل و براہین کے ساتھ ان بعض فقہی آرا کو رد کر کے عورت کی حیثیت کو مستحکم کیا ہے اور قرآن وسنت نے اسے جو حقوق دیے ہیں ان کا تحفظ کیا ہے۔ اس پہلو پر ان کی تصنیف حقوق الزوجین ان کی بصیرت کی روشن دلیل ہے۔ (قادری، عروج احمد، اقامت دین فرض ہے، مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی ہند، ۱۹۷۰ء، ص ۶)

شورائی اجتہاد

اجتہاد کا ایک اہم پہلو شورائی اجتہاد ہے۔ سید مودودی اس بارے میں فرماتے ہیں: ''انفرادی اجتہاد سے جو آرا دی جائیں گی اُن کی حیثیت زیادہ سے زیادہ ایک فتویٰ یا ایک انفرادی رائے کی ہوگی۔ اس کو قانون کی طاقت حاصل نہیں ہوسکتی۔ البتہ اس کا فائدہ یہ ہے کہ مختلف لوگ جب شرعی مسائل پر بحث کریں گے اور اپنے اپنے دلائل دیں گے تو مسائل زیادہ اچھی طرح منقح ہوتے چلے جائیں گے۔ اس کے ساتھ اگر شورائی اجتہاد بھی ہو اور اہلِ علم کی کوئی کونسل ایسی بنائی جائے جو باہمی بحث ومباحثے کے بعد بالاتفاق یا اکثریت سے اجتہادی فیصلے کرے تو یہ چیز بہت مفید ہوسکتی ہے۔ ایسی کونسل ایک ریاست میں بھی بنائی جاسکتی ہے اور اس کو ایک دستوری حیثیت بھی دی جاسکتی ہے تاکہ اس کے فیصلے قانونی طاقت حاصل کرلیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایسی ایک کونسل کی حیثیت محض ایک علمی کونسل کی ہو اور وہ علمی حیثیت سے اپنے فیصلے شائع کرے اور ان فیصلوں سے رہنمائی حاصل کر کے قانون ساز ادارے صحیح قانون بنائیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ تمام دنیاے اسلام کی ایک مرکزی کونسل ایسی بنائی جائے کہ جو ساری دنیا کے مسلمانوں کی ضروریات کو سامنے رکھ کر اجتہادات کرے۔ اِس علمی کونسل کو قائم کرنے میں اگر مسلمان کامیاب ہوجائیں تو یہ بڑی رحمت ثابت ہوگی۔ اس سے تمام مسلمانوں کو رہنمائی حاصل ہوگی اور کسی وقت چل کر یہ بھی ممکن ہوگا کہ ساری مسلمان حکومتیں مل کر ایک ایسی کونسل کو دستوری حیثیت بھی دے دیں تاکہ اِس کے فیصلے تمام مسلمان حکومتوں میں قانون کی طاقت حاصل کرلیں''۔ (مولانا مودودی کے انٹرویو، ص ۶۰-۶۱)